ا ے۔ الیف۔ ایم۔ عبدالعلی
بہ:۔ افضل حق قرشی

آغا احمد علی مصنّف "شمشیرِ تیز تر"

غالب کے سبھی سوانح نگاروں نے، سوا شیخ محمد اکرام کے، غالب کے عظیم ادبی حریف آغا احمد علی کا ذکر سرسری انداز میں کیا ہے۔ ام کا ماخذ " ہفت آسمان "کے شروع میں بلاک مین کا تحریر کردہ سوانحی نوٹ ہے۔ جناب اے۔ الیف۔ ایم۔ عبدالعلی کا یہ مقالہ زید تفصیلات مہیا کرتا ہے۔ یہ "مسلم ریویو" الہ آباد ۳ (۳) بابت مارچ ۱۹۱۱ء میں چھپا تھا۔ وہیں سے قارئین کی دلچسپی کے لیے ہم اس کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔

آغا احمد علی کی تصانیف میں ایک نام سید اقبال عظیم مصنّف " مشرقی بنگال میں اردو "نے تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:
" اشتقاق" ان کی مشہور تصنیف ہے، جس میں فارسی مصادر اور ان کے مشتقات کا بیان اُردو زبان میں ہے۔ یہ کتاب ۱۲۸۷ھ میں شائع ہوئی اور بہت ضخیم ہے۔ سید محمود آزاد کا بیان ہے کہ یہ کتاب آغا نے ان کی تعلیم کے لیے لکھی تھی۔ چونکہ یہ کتاب بہت ضخیم تھی، اس لیے ایک ہی سال بعد یعنی ۱۲۸۸ھ میں انھوں نے اس کتاب کے مواد کو سمیٹ کر ایک مختصر سے رسالے کی شکل میں مرتب کیا اور "مختصر الاشتقاق" کے نام سے شائع کرایا۔ اس رسالے کا حجم ۶۰ صفحات ہے جو مطبع بشیری، جام جہاں نما کلکتہ کا چھپا ہوا ہے۔"

بلاک مین نے آغا صاحب کی وفات عارضۂ بخار سے بیان کی ہے۔ (قرشی)

کئی سال قبل جب میں نے غالب کی معرکۃ الآرا سوانح مؤلفہ شمس العلما مولانا الطاف حسین حالی کا مطالعہ کیا تو یہ بات موجبِ حیرانی ہوئی کہ وہ غالب کے سب سے بڑے ادبی حریف آغا احمد علی کو ٹھیک طور سے نہیں جانتے تھے۔ جہاں تک میرا حافظہ کام کرتا ہے، مولانا حالی نے تحریر کیا ہے کہ آغا احمد علی بنگلی[۱] (بنگال) کے رہنے والے تھے۔ چونکہ یہ عالم و فاضل شخصیت بالائی ہندوستان میں زیادہ معروف نہیں، اس لیے "مسلم ریویو" کے قارئین کے لیے یہ مختصر سا تعارف باعثِ دلچسپی ہوگا۔

آغا احمد علی ایرانی النسل تھے اور ان کے اسلاف نادر شاہ کے ہمراہ ہندوستان آئے تھے، ان کے دادا

---

[۱] حالی نے متوطن کلکتہ لکھا ہے۔

آغا عبدالعلی، جو اصفہان سے آئے تھے، سب سے پہلے مشرقی بنگال میں ڈھاکہ میں قیام پذیر ہوئے۔ آغا عبدالعلی ایک معروف خطاط تھے اور وہ لوگ جنھوں نے ان کی تحریریں دیکھی ہیں، بیان کرتے ہیں کہ ان کا خط بہت نفیس تھا۔ ان کی دوسری بیوی سے جو ایک اچھے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، ایک لڑکا تولد ہوا جس کا نام شجاعت علی تھا۔ شجاعت علی کی عمر صرف تین سال تھی کہ اس کے والد کا انتقال ہو گیا اور اس کی ماں نے ڈھاکہ کے ایک معزز شخص مرزا غلام پیر سے شادی کر لی۔ اس طرح شجاعت علی بھی مرزا غلام پیر کے ہاں آ گئے اور ان کی ذاتی توجہ سے عربی اور فارسی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ وہ ایک ٹھنڈے دل و دماغ کے آدمی تھے اور رجحانِ طبع ادب کی طرف تھا۔ تمام عمر ادبی مشاغل میں گزاری۔ ان کے کئی بچے تھے۔ ان میں سب سے بڑا آغا احمد علی تھا جو ۱۰ شوال ۱۲۵۵ھ کو ڈھاکہ میں پیدا ہوا۔ آغا احمد علی نے فارسی کی تعلیم ڈھاکہ کے منشی معتصم باللہ سے حاصل کی جو اپنے وقت کے ایک جلیل القدر استاد تھے۔ عربی کی تعلیم اپنے دور کے عظیم بزرگ شاہ جلال الدین بخاری سے پائی۔ عروض کی تعلیم ایک مقامی شاعر سے حاصل کی جو کوکب[2] جہانگیر نگری[3] کے نام سے مشہور تھا۔ اوائل عمر ہی میں ادب سے دلچسپی پیدا ہو گئی اور فارسی کے عالم ہونے کی حیثیت سے شہرت اطراف و اکناف میں پھیل گئی تھی۔ اپنے والد کی طرح انھیں بھی نایاب مخطوطات جمع کرنے کا شوق تھا اور کہا جاتا ہے کہ ان کے ذاتی کتب خانے میں دو ہزار سے زاید نایاب مخطوطات تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ۱۸۵۶ء اور ۱۸۶۰ء کے درمیانی عرصے میں انھوں نے ڈھاکہ کے تمام ذاتی کتب خانوں کی کتابیں پڑھ لی تھیں۔ ۱۸۶۲ء میں وہ کلکتہ میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی لائبریری دیکھنے گئے، جس کے وسیع و قیمتی ذخائر کے متعلق انھوں نے بہت کچھ سن رکھا تھا، وہاں ان کی ملاقات پروفیسر کوول اور بلاک مین سے ہوئی۔ بعد ازاں یہ دونوں ان کے شاگرد بن گئے۔

آغا احمد علی نے تحقیقات کے ضمن میں اپنے ان دونوں شاگردوں کی خاطر خواہ امداد کی۔ کوول، ان دنوں ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کا سیکرٹری تھا۔ اس نے آغا احمد علی کے متعلق نہایت اچھی رائے قائم کر رکھی تھی اور اس نے سوسائٹی کے لیے بہت سی کتابیں مرتب کرنے کا نہایت محنت طلب کام ان کے سپرد کیا۔

---

[2] خواجہ اسد اللہ کوکب

[3] جہانگیر نگر، ڈھاکہ کا پرانا نام ہے

جب تک آغا صاحب ڈھاکہ میں رہے، وہ بنگال کے اطراف سے آئے ہوئے سینکڑوں طلبا کو درس دیتے رہے۔ ان کے بعض شاگرد بعدازاں بنگال کے ادبی افق پر درخشندہ ستاروں کی طرح چمکے۔ اُن لوں انھوں نے مشرقی بنگال میں عربی اور فارسی زبان کے طریقِ تعلیم میں دُور رس اصلاحات کیں۔ کلکتہ آنے کے کچھ ہی عرصہ بعد آغا صاحب نے مدرسہ احمدیہ قائم کیا، جہاں اسی اصلاح شدہ نظام کے تحت تدریس کا سلسلہ شروع کیا، جو انھوں نے مشرقی بنگال میں متعارف کروایا تھا۔ یہ مدرسہ شہر کے تلتلا کے حصے میں واقع تھا اور اس کے اوقات صبح چھ بجے سے دس بجے صبح تک تھے۔ تاکہ ان کے شاگرد اور ساتھی اپنے دیگر کام بھی کر سکیں۔ اس مدرسہ میں اعلیٰ درجے کی فارسی تعلیم دی جاتی تھی، جہاں تک عربی کا تعلق ہے، طلبا کو صرف بول چال سکھائی جاتی تھی۔ اس مدرسے کی اگرچہ مالی حالت اچھی نہ تھی، تاہم یہ ایک عظیم الشان ادارہ تھا۔ یہ مدرسہ تقریباً بارہ سال جاری رہا اور اپنے بانی کے انتقال کے بعد ختم ہو گیا۔

۱۸۶۴ء میں کوول نے آغا صاحب کے بارے میں کرنل ناسن لیس کے پاس سفارش کی اور ان کی تقرری مدرسہ عالیہ کلکتہ میں بحیثیت مدرس فارسی ہو گئی۔ انہی دنوں مرزا اسداللہ خان غالب نے قاطع برہان لکھی جس میں معروف فارسی لغت "برہانِ قاطع" پر سخت تنقید کی گئی تھی۔ مؤخرالذکر کی حمایت میں آغا احمد علی نے "مؤید برہان" لکھی جو ۱۸۶۵ء میں شائع ہوئی۔ غالب نے اس کے جواب میں "تیغ تیز" لکھی۔ اس کے بعد آغا احمد علی نے ۱۸۶۸ء میں "شمشیر تیز تر" لکھی۔ غالب اور احمد علی کا یہ مباحثہ برصغیر کے فارسی ادب کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ گو آغا صاحب کی زندگی کا یہ پہلو نہایت دلچسپ ہے، مگر میں اس پر زیادہ نہ لکھوں گا کہ برصغیر میں فارسی ادب کا ہر طالب علم اسے بخوبی جانتا ہے۔

۱۸۶۶ء میں آغا صاحب نے فارسی رباعی پر "رسالہ ترانہ" لکھا جو اگلے سال بلاک مین نے چھپوا دیا۔ ۱۸۷۰ء میں انھوں نے فارسی گرامر پر "رسالہ اشتقاق" لکھا۔ اسی سال انھوں نے بلاک مین کی فارسی عروض پر معرکۃ الآرا تصنیف کے سلسلے میں اعانت کی۔ بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ آغا صاحب ڈھاکہ کی ایک تاریخ "تاریخ ڈھاکہ" کے بھی مصنف تھے۔ یہ ایک نہایت دلچسپ کتاب ہے اور آغا صاحب کی قابلیت پر شاہد۔ یہ اب نایاب ہے۔ ان کی تصانیف میں ایک اور "رسالہ وجہ تسمیہ" فارسی ناموں کے معانی سے متعلق ہے۔ ان کی غیر مطبوعہ تصنیف "فوائد احمدیہ"، عبدالواسع کی عظیم الشان شرح ہے اور یہ ان کی پہلی تصنیف ہے۔ ان کی ایک اور شرح "بنتِ سواد" قابلِ ذکر ہے۔ ان کی آخری تصنیف

"ہفت آسمان" تھی۔ یہ اصل میں نظامی گنجوی کی تصانیف کا تعارف ہے جو وہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے لیے مرتب کر رہے تھے۔ یہ مثنوی کی تاریخ ہے۔ کیونکہ مثنوی سات مختلف بحروں میں لکھی جاتی ہے۔ یہ تصنیف سات فصلوں میں تقسیم ہے اور ہر فصل "آسمان" کہلاتی ہے۔ ان کی وفات کے چھ ماہ بعد بلاک مین نے اُسے مرتب کیا اور رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی طرف سے چھپوا دیا۔ آغا صاحب نے بہت کم شعر کہے لیکن جو کچھ کہا، وہ نہایت عمدہ اور نفیس کہا۔

۵ ربیع الثانی ۱۲۹۰ھ (جون ۱۸۷۳ء) کو آغا صاحب عارضہ تپ دق سے انتقال کر گئے۔ ان کے معالجین نے بہت پہلے انھیں انتباہ کیا تھا کہ وہ کتابوں کا مطالعہ ترک کر دیں اور چند ماہ آرام کریں۔ سخت محنت کی یہ عادت آہستہ آہستہ، لیکن تیزی سے موت کو قریب تر کر رہی تھی مگر انھوں نے اُن کے مشورہ پر کان نہ دھرے۔ ان کی تدفین ڈھاکہ میں مرزا صاحب کے لنگر خانہ کے قریب واقع قبرستان میں ہوئی۔ ان کے دوست اور شاگرد بلاک مین نے تحریر کیا:

فارسی ادب کے لیے ان کے حقیقی ذوق و شوق، اس زبان کا عمیق علم، ایثار، مروّت اور راست بازی نے انھیں ہر ایک کا دوست بنا دیا تھا۔ ان کی موت سے ان کے شاگرد ایک عظیم الشان استاد سے اور ایشیاٹک سوسائٹی ایک محنتی اور دیانت دار ایڈیٹر سے محروم ہو گئی، جس کا نعم البدل ملنا مشکل ہے۔

آغا احمد علی جدید ہندوستان میں فارسی زبان کی ترقی کے ساتھ وابستگی کے باعث تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

آغا صاحب نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے لیے مندرجہ ذیل کتب مرتب کیں:

۱۔ مثنوی ویس و رامین	۴۔ منتخب التواریخ مصنفہ بدایونی
۲۔ سکندر نامہ بحری مصنفہ نظامی	۵۔ مآثر عالمگیری
۳۔ اقبال نامۂ جہانگیری	۶۔ اکبر نامہ کے پہلے دو دفترے